سے نہ چھوٹ سکتی ہے۔ یہاں مزے سے بیٹھے بیٹھے راج کرتے تھے۔ مشاہرہ تو دس روپئے سے زیادہ نہ تھا مگر ایک ہزار سالانہ سے زائد آمدنی تھی۔ صدہا آدمیوں پر حکومت، چار چار پیادے حاضر، بیگار میں سارا کام ہو جاتا تھا، تھانیدار تک کرسی دیتے تھے۔ یہ چین انھیں اور کہاں تھا؟ اور پٹیشوری نوکری کی بدولت مہاجن بنے ہوئے تھے۔ کہاں جا سکتے تھے؟ دو تین روز اسی تردد میں پڑے رہے کہ اس مصیبت سے کس طرح نجات ہو۔ آخر انھیں ایک راستہ سوجھ گیا۔ کبھی کبھی کچہری میں انھیں بجلی دیکھنے کو مل جاتی تھی۔ اگر ایک گمنام خط اس کے ایڈیٹر کے خدمت میں بھیج دیا جائے کہ رائے صاحب کس طرح اسامیوں سے جرمانہ وصول کرتے ہیں تو بچہ کو لینے کے دینے پڑ جائیں۔ نو کھے رام بھی متفق ہو گئے۔ دونوں نے مل کر کسی طرح ایک خط لکھا اور رجسٹری سے بھیج دیا۔

ایڈیٹر اونکار ناتھ تو ایسے خطوں کی تاک میں رہتے تھے۔ خط پاتے ہی فوراً رائے صاحب کو اطلاع دی۔ انھیں ایک ایسی خبر ملی ہے جس پر اعتبار کرنے کو ان کا جی نہیں چاہتا مگر نامہ نگار نے ایسے ثبوت دئے ہیں کہ یکایک بے اعتباری بھی نہیں کی جا سکتی۔ کیا یہ سچ ہے کہ رائے صاحب نے اپنے علاقے کی ایک اسامی سے اسی روپئے نادان اس لئے وصول کیا کہ اس کے لڑکے نے ایک بیوہ کو اپنے گھر رکھ لیا تھا؟ ایڈیٹر کا فرض انھیں مجبور کرتا ہے کہ وہ اس معاملے کی جانچ کریں اور عوام کی بھلائی کے لئے اسے چھاپ دیں۔ رائے صاحب اس کے متعلق جو کہنا چاہیں اسے بھی وہ چھاپ دیں گے۔ ایڈیٹر صاحب دل سے چاہتے ہیں کہ یہ خبر غلط ہو لیکن اگر اس میں کچھ بھی سچائی ہوئی تو اسے شائع کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ دوستی انھیں فرض کے راستے سے نہیں ہٹا سکتی۔

رائے صاحب کو یہ خبر ملی تو انھوں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ پہلے تو انھیں یہ

تحریک ہوئی کہ جاکر اونکار ناتھ کو پچاس ہنٹر گن کر لگائیں کہ جہاں وہ خط چھاپنا وہیں یہ حال بھی چھاپ دینا۔ لیکن اس کا انجام سوچ کر دل کو ٹھنڈا کیا اور فوراً ان سے ملنے چلے۔ اگر دیر کی اور اونکار ناتھ نے وہ حال چھاپ دیا تو ان کی ساری نیکنامی پر پانی پھر جائے گا۔

اونکار ناتھ سیر کر کے لوٹے تھے اور ان کے اخبار کے لئے اڈیٹوریل لکھنے کی فکر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر دل چڑے کی طرح اڑا اڑا پھرتا تھا۔ ان کی اہلیہ نے رات میں انھیں کچھ ایسی باتیں کہہ ڈالی تھیں جو ابھی تک کانٹوں کی طرح چبھ رہی تھیں۔ انھیں کوئی مفلس کہہ لے، بدنصیب کہہ لے، بے وقوف کہہ لے، وہ ذرا بھی برا نہ مانتے تھے مگر یہ کہنا کہ ان میں مردیت نہیں ہے، ان کی برداشت سے باہر تھا۔ اور پھر اپنی بیوی کو یہ کہنے کا کیا حق ہے؟ اس سے تو یہ امید کی جاتی ہے کہ کوئی ایسا کہے تو اس کا منہ بند کر دے۔ بے شک وہ ایسی خبریں نہیں چھاپتے، ایسے نوٹ نہیں لکھتے کہ سر پر کوئی آفت آجائے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ ان سیاہ قانونوں کے زمانے میں وہ اور کر ہی کیا سکتے ہیں؟ مگر وہ کیوں سانپ کے بل میں ہاتھ نہیں ڈالتے، اسی لئے تو کہ ان کے گھر والوں کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور ان کی اس برداشت کا انھیں یہ صلہ مل رہا ہے۔ کیا اندھیر ہے! ان کے پاس روپیہ نہیں ہے۔ تو بنارسی ساڑی کیسے منگا دیں؟ ڈاکٹر سیٹھ اور پروفیسر بھاٹیا اور نہ جانے کس کس کی بیویاں بنارسی ساڑی پہنتی ہیں تو وہ کیا کریں؟ کیوں ان کی بیوی ان ساڑی والیوں کو اپنی کھدر کی ساڑی سے نادم نہیں کرتی؟ ان کی خود تو یہ عادت ہے کہ کسی بڑے آدمی سے ملنے جاتے ہیں تو موٹے سے موٹے کپڑے پہن لیتے ہیں اور کوئی کچھ رائے زنی کرے تو اس کا منہ توڑ جواب

کو وہ تیار رہتے ہیں۔ ان کی بیوی میں کیا وہی خودداری نہیں ہے؟ وہ
ں دوسروں کا ٹھاٹ باٹ دیکھ کر بے چین ہوجاتی ہے؟ اسے
چاہیئے کہ وہ ایک محب وطن کی بیوی ہے جس کے پاس حب الوطنی کے
اور کون سی پونجی ہے؟ اسی کو آج افتتاحیہ مضمون بنانے کا خیال
تے کرتے ان کا دھیان رائے صاحب کے معاملے پر جا پہنچا۔ رائیصاحب
ں اطلاع کا کیا جواب دیتے ہیں، دیکھنا یہ ہے۔ اگر وہ اپنی صفائی دینے
ں کامیاب ہوجاتے ہیں تو کوئی بات نہیں، ورنہ اگر وہ یہ سمجھیں کہ اونکار ناتھ
باؤ، خوف یا مروّت میں آکر اپنے فرض سے منہ موڑ لیں گے تو یہ ان کی
م خیالی ہے۔ اس ساری تپسیا کا بدلا انھیں اس کے سوا اور کیا ملتا ہے
موقع ملنے پر ان قانونی ڈاکوؤں کی کرتوت کھول دیں۔ انھیں خوب
م ہے کہ رائے صاحب بڑے با اثر آدمی ہیں۔ کونسل کے ممبر
ہونے کے علاوہ حکام میں بھی ان کا کافی رسوخ ہے۔ وہ چاہیں تو اُن
پر جھوٹے مقدمے چلوا سکتے ہیں۔ اپنے غنڈوں سے انھیں راہ چلتے
پٹوا سکتے ہیں، مگر اونکار ناتھ ان باتوں سے نہیں ڈرتا۔ جب تک اس کے
جسم میں جان ہے وہ ظالموں کی خبر لیتا ہی رہے گا۔

دفعتاً موٹر کی آواز سُن کر وہ چونک پڑے اور فوراً کاغذ لے کر اپنا
مضمون شروع کر دیا۔ ایک ہی لمحہ میں رائے صاحب اُن کے کمرے میں
داخل ہوئے۔

اونکار ناتھ نے نہ ان کا خیر مقدم کیا، نہ مزاج پُرسی کی اور نہ
کرسی دی۔ انھیں اس طرح دیکھا گویا کوئی ملزم ان کی عدالت میں آیا ہو اور
رعب کی آواز میں پوچھا "آپ کو میرا پُرزہ مل گیا تھا؟ میں خط لکھنے کے

لئے مجبور نہ تھا، میرا فرض تو یہ تھا کہ خود اس کی تحقیقات کرتا مگر مروت میں اصول کا کچھ نہ کچھ خون کرنا ہی پڑتا ہے۔ کیا اس خبر میں کچھ سچائی ہے؟"

رائے صاحب اس کی سچائی سے انکار نہ کر سکے اگرچہ ابھی انھیں جرمانے کے روپئے نہیں ملے تھے۔ اور وہ اس کے ملنے سے صاف انکار کر سکتے تھے مگر وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ کس پہلو پر چلتے ہیں۔

اونکار ناتھ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "تب تو میرے لئے اس خبر کو چھاپ دینے کے سوا اور کوئی چارا نہیں ہے۔ مجھے اس کا افسوس ہے کہ مجھے اپنے ایک بڑے خیر خواہ دوست کے متعلق کچھ لکھنا پڑ رہا ہے۔ مگر فرض کے مقابلے میں شخص کوئی چیز نہیں۔ ایڈیٹر اگر اپنا فرض نہ پورا کر سکے تو اسے اس جگہ پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

رائے صاحب کرسی پر بیٹھ گئے اور پان کے بیڑے منہ میں ڈال بولے: "لیکن یہ آپ کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ مجھے تو جو کچھ ہونا ہے وہ بعد کو ہوگا مگر آپ کو فوراً سزا مل جائے گی۔ اگر آپ دوستوں کی پروا نہیں کرتے تو میں بھی اسی پالیسی کا آدمی ہوں۔"

اونکار ناتھ نے ایک شہید کی عظمت اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا تو مجھے کبھی ڈر نہیں ہوا۔ جس روز میں نے ایڈیٹر ہونے کی ذمہ داری لی اسی روز اپنی جان کا موہ چھوڑ دیا، اور میرے نزدیک ایڈیٹر کی سب سے شاندار موت یہی ہے کہ وہ حق و انصاف پر اپنے کو قربان کر دے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں آپ کا چیلنج منظور کرتا ہوں، میں اب تک آپ کو اپنا دوست سمجھتا آیا تھا مگر اب آپ لڑنے پر تیار ہیں تو لڑائی ہی سہی۔ آخر میں آپ کے اخبار کا پانچ گنا چندہ کیوں دیتا ہوں؟ صرف اس لئے کہ وہ

اغلام بنا رہے۔ مجھے ایشور نے رئیس بنایا ہے۔ آپ کے بنانے سے نہیں ہوں۔ معمولی چندہ پندرہ روپئے ہے اور میں پچیس روپئے دیتا ہوں تو اسی لئے کہ آپ کا منہ بند رہے۔ جب آپ کے گھاٹے کا رونا روتے ہیں اور مدد کے لئے اپیل کرتے ہیں اور ایسی شاید ہی کوئی سہ ماہی جاتی ہو جب آپ اپیل نہ نکلے، تو میں ایسے ہر موقع پر آپ کی کچھ نہ کچھ امداد کر دیتا ہوں۔ کس لئے؟ دیوالی، دسہرہ اور ہولی میں آپ کے یہاں سوغات بھیجتا ہوں اور سال میں پچیس مرتبہ آپ کی دعوت کرتا ہوں۔ کس لئے؟ آپ رشوت اور قرض دونوں کو ساتھ ساتھ نہیں نباہ سکتے۔"

اونکار ناتھ گرم ہو کر بولے "میں نے کبھی رشوت نہیں لی۔"

رائے صاحب نے پھٹکارا۔ "اگر یہ رشوت نہیں ہے تو رشوت کیا ہی؟ ذرا مجھے سمجھا دیجئے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے علاوہ اور سب گدھے ہیں جو بے غرضانہ آپ کا گھاٹا پورا کرتے ہیں؟ نکالئے اپنا کھاتا اور مجھے بتائیے کہ اب تک آپ کو میری ریاست سے کتنا مل چکا ہے مجھے یقین ہے کہ ہزاروں کی رقم نکلے گی۔ اگر آپ کو سودیشی سودیشی چلا کر بدیشی دواؤں اور چیزوں کا اشتہار چھاپتے شرم نہیں آتی تو میں کیوں اپنے اسامیوں سے نادان اور جرمانہ لینے میں شرم کروں؟ یہ نہ سمجھئے کہ آپ ہی کسانوں کے بہبود کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں مجھے کسانوں کے ساتھ جلنا مرنا ہے، مجھ سے بڑھ کر دوسرا ان کا بہی خواہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن میرا گذر کیسے ہو؟ افسروں کو دعوتیں کہاں سے دوں؟ سرکاری چندے کہاں سے دوں؟ خاندان کے سینکڑوں آدمیوں کی ضروریات کیسے پوری کروں؟ میرے گھر کا خرچ کیا ہے، یہ شاید آپ جانتے ہیں۔ تو کیا

میرے گھر میں روپئے پھلتے ہیں؟ آئیں گے تو اسامیوں ہی کے گھر سے۔ آ سمجھتے ہوں گے کہ زمیندار اور تعلقدار دنیا بھر کا سکھ لوٹ رہے ہیں۔ ان اصلی حالت کا آپ کو پتہ نہیں۔ اگر وہ دھرماتما بن کر رہیں تو ان کا زندہ مشکل ہو جائے۔ حکام کو ڈالیاں نہ دیں تو جیل گھر ہو جائے۔ ہم بھتو نہیں، کہ خواہ مخواہ سب کو ڈنک مارتے پھریں اور نہ غریبوں کا گلا دبانا کوئی بڑ خوشی کی بات ہے مگر رواجوں کو تو نبھانا پڑتا ہے جس طرح آپ میرے ر۔ ہونے کا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اسی طرح اور سب لوگ بھی ہمیں سونے کا انڈا دینے والی مرغی سمجھتے ہیں۔ آیئے میرے بنگلے پر تو دکھا دوں کہ صبح شام تک کتنے نشانے مجھ پر پڑتے ہیں۔ کوئی کشمیر سے شال دوشالے لئے چلا آتا ہے، کوئی عطر اور تمباکو کا ایجنٹ ہے، کوئی کتابوں اور اخبار کا، کوئی بیمہ کمپنی کا، کوئی گراموفون لئے سر پر سوار ہے اور کوئی کچھ چند والے تو بے شمار، کیا سب کے سامنے اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ جاؤں؟ کیا یہ لوگ میرے دروازے پر دکھڑا سننے آتے ہیں؟ آتے ہیں مجھے الو بنا کر مجھ سے کچھ اینٹھنے کے لئے۔ آج رواج کا خیال چھوڑ دوں تو تالیاں پٹنے لگیں۔ حکام کو ڈالیاں نہ دوں تو باغی سمجھا جاؤں۔ تب آپ اپنے مضامین سے میری حفاظت نہ کریں گے۔ کانگریس میں شریک ہوا، اس کا تاوان ابھی تک دیتا جاتا ہوں۔ کالی کتاب میں نام درج ہو گیا میرے سر پر کتنا قرض ہے یہ بھی کبھی آپ نے پوچھا؟ اگر سب ہی مہاجن ڈگریاں کرالیں تو میرے ہاتھ کا چھلا تک بک جائے گا۔ آپ کہیں گے کیوں یہ جھگڑے پالتے ہو؟ سات پشتوں سے جن حالات میں رہتا آیا ہوں ان سے اب نکل نہیں سکتا۔ گھاس چھیلنا اب میرے لئے ناممکن ہے۔

آپ بے خوف ہو سکتے ہیں مگر آپ بھی دُم دبائے بیٹھے رہتے ہیں۔ آپ کو کچھ خبر ہے کہ عدالتوں میں کتنی رشوت چل رہی ہے، کتنے غریبوں کا خون ہو رہا ہے۔ کتنی عورتیں بدراہ ہو رہی ہیں، ہے بوتہ لکھنے کا؟ مثال میں دیتا ہوں مع ثبوت کے۔"

اونکار ناتھ کچھ نرم ہو کر بولے "جب کبھی ایسا موقع آیا ہے میں نے قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔"

رائے صاحب بھی کچھ نرم ہوئے۔ "ہاں میں مانتا ہوں کہ دو ایک موقعوں پر آپ نے جواں مردی دکھائی مگر آپ کی نظر ہمیشہ اپنے فائدے پر رہی، عوام کے فائدے پر نہیں۔ آنکھیں نہ نکالئے اور نہ چہرہ سرخ بنائیے جب کبھی آپ میدان میں آئے اس کا اچھا نتیجہ یہی ہوا کہ آپ کی عزت اور آمدنی میں اضافہ ہوا۔ اگر میرے ساتھ بھی آپ وہی چال چل رہے ہوں تو میں آپ کی خاطر کرنے کو تیار ہوں۔ روپئے نہ دوں گا کیونکہ وہ رشوت ہے، آپ کی اہلیہ کے لئے کوئی زیور بنوا دوں گا، ہے منظور؟ اب میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ آپ کو جو خبر ملی ہے وہ غلط ہے، مگر یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اپنے اور سب ہی بھائیوں کی طرح میں بھی اسامیوں سے جرمانہ لیتا ہوں اور سال میں دس پانچ ہزار روپئے میرے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ اگر آپ میرے منہ سے یہ لقمہ چھیننا چاہیں گے تو آپ گھاٹے میں رہیں گے۔ آپ بھی دنیا میں آرام سے رہنا چاہتے ہیں اور میں بھی رہنا چاہتا ہوں۔ اس کی کیا فائدہ کہ آپ انصاف اور فرض کا ڈھونگ کر کے مجھے زیر بار کریں اور خود بھی زیر بار ہوں۔ دل کی بات کہئے۔ میں آپ کا دشمن نہیں ہوں۔ آپ کے ساتھ کتنے ہی بار ایک چوکے میں، ایک میز پر کھا چکا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ

آپ تکلیف میں ہیں۔ آپ کی حالت میری حالت سے بھی بدتر ہے۔ ہاں اگر آپ نے ستیہ ہرش چندر بننے کی قسم کھالی ہے تو آپ کی خوشی۔ اب میں چلتا ہوں۔"

رائے صاحب کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اونکار ناتھ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر مصالحانہ انداز سے کہا: "نہیں نہیں، ابھی آپ کو بیٹھنا پڑے گا۔ میں اپنی پوزیشن صاف کر دینا چاہتا ہوں۔ آپ نے میرے ساتھ جو سلوک کئے ہیں ان کے لئے میں آپ کا احسان مند ہوں مگر یہاں اصولی بات آگئی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اصول جان سے بھی زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔"

رائے صاحب کرسی پر بیٹھ کر ذرا میٹھے لہجے میں بولے: "اچھا بھئی جو چاہے لکھو۔ میں تمہارے اصولوں کو توڑنا نہیں چاہتا اور تو کیا ہوگا بدنامی ہوگی ہاں کہاں تک نام کے پیچھے مروں؟ کون ایسا تعلقدار ہے جو اسامیوں کو تھوڑا بہت نہیں ستاتا؟ کتا ہڈی کی حفاظت کرے تو کھائے کیا؟ میں اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ آئندہ آپ کو اس طرح کی کوئی شکایت نہ ملے گی۔ اگر آپ کو مجھ پر یقین ہے تو اس دفعہ معاف کیجئے۔ کسی دوسرے ایڈیٹر سے میں ایسی خوشامد نہ کرتا۔ اسے سربازار پٹواتا۔ لیکن مجھ سے آپ کی دوستی ہے، پس مجھے دبنا ہی پڑے گا۔ یہ اخباروں کا زمانہ ہے۔ سرکار تک ان سے دبتی ہے، میری ہستی کیا؟ آپ جسے چاہیں بنا دیں اور جسے چاہیں بگاڑ دیں خیر یہ جھگڑا ختم کیجئے۔ کہئے آج کل اخبار کی کیا حالت ہے؟ کچھ گاہک بڑھے؟"

اونکار ناتھ نے نارضامندی سے کہا: "کسی نہ کسی طرح کام چلا جاتا ہے اور موجودہ حالت میں میں اس سے زیادہ امید نہیں رکھتا۔ میں اس

طرف دولت اور آرام کی خواہش لے کر نہیں آیا تھا۔ اس لئے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں پبلک کی خدمت کرنے آیا تھا۔ اور وہ حتی الامکان کئے جاتا ہوں۔ ملک و قوم کا بھلا ہو، یہی میری خواہش ہے۔ ایک شخص کے سکھ دُکھ کی کوئی قیمت نہیں۔"

رائے صاحب نے ذرا اور ملائم ہو کر کہا "یہ سب ٹھیک ہے بھائی صاحب، لیکن خدمت کے لئے بھی جینا ضروری ہے۔ مالی افکار میں مبتلا ہوتے ہوتے آپ یکسوئی کے ساتھ خدمت بھی تو نہیں کر سکتے۔ کیا گاہکوں کی تعداد بالکل نہیں بڑھ رہی؟"

"بات یہ ہے کہ میں اپنے اخبار کا معیار کم نہیں کرنا چاہتا۔ اگر میں بھی آج سینما کے اشاروں کی تصاویر اور ان کی سوانح عمریاں چھاپنے لگوں تو گاہک بڑھ سکتے ہیں مگر اپنا تو شعار نہیں اور بھی کتنے ہی ایسے ہتھکنڈے ہیں جن سے اخبار کے ذریعہ روپیہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں انھیں برا سمجھتا ہوں۔"

"اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج آپ کی اتنی عزت ہے۔ میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں، معلوم نہیں آپ اسے منظور کریں گے یا نہیں۔ آپ میری جانب سے سو آدمیوں کے نام مفت پرچہ جاری کر دیجئے۔ اور قیمت میں دیدوں گا۔"

اونکار ناتھ نے ممنونیت سے سر جھکا کر کہا "میں شکریئے کے ساتھ آپ کا دان قبول کرتا ہوں۔ افسوس یہی ہے کہ اخباروں کی جانب سے لوگوں میں بڑی بے توجہی ہے۔ اسکولوں، کالجوں اور مندروں کے لئے پیسے کی کمی نہیں ہے مگر آج تک ایک بھی ایسا سجنی نہ نکلا جو اخباروں کی اشاعت

کے لئے دان دیتا۔ حالانکہ تعلیمی مقصد جتنے کم خرچ میں اخباروں سے پورا ہوسکتا ہے اتنا اور کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ جیسے تعلیم گاہوں کو مختلف انجمنوں سے امداد ملتی ہے۔ اسی طرح اگر اخبار نویسوں کو بھی ملنے لگے تو ان غریبوں کو اپنا جتنا وقت اور جتنی جگہ اشتہاروں کی نذر کرنا پڑتی ہے وہ کیوں کرنا پڑے۔ میں آپکا بہت شکر گذار ہوں۔"

رائے صاحب رخصت ہوگئے۔ اونکارناتھ کے چہرے پر خوشی کی جھلک نہ تھی۔ رائے صاحب نے کسی طرح کی شرط نہ کی تھی۔ کوئی بندش نہ لگائی تھی، مگر اونکارناتھ آج اتنی بڑی فضیحت پاکر بھی اس امداد کو نامنظور نہ کرسکے۔ حالت ایسی تھی کہ انھیں نجات کی کوئی تدبیر ہی نہ سوجھ رہی تھی۔ پریس کے ملازموں کی تین مہینے کی تنخواہ باقی تھی۔ کاغذ والے کو ایک ہزار سے زیادہ دینا تھا۔ یہی کیا کم تھا کہ انھیں ہاتھ نہیں پھیلانا پڑے۔

ان کی اہلیہ گومتی نے آکر خفگی سے کہا: "کیا ابھی کھانے کا وقت نہیں آیا؟ یا یہ بھی کوئی قاعدہ ہے کہ جب تک ایک نہ بج جائے جگہ سے نہ اٹھو۔ کب تک کوئی چولھا تاکتا رہے؟"

اونکارناتھ نے غمگین آنکھوں سے بیوی کی طرف دیکھا۔ گومتی کی خفگی غائب ہوگئی۔ وہ ان کی مشکلات کو سمجھتی تھی۔ دوسری عورتوں کے زیور کپڑے دیکھ کر کبھی کبھی اس کے دل میں مخالفت کا جذبہ جاگ اٹھتا تھا اور وہ شوہر کو دو چار کھری کھوٹی سنا جاتی تھی۔ مگر اصل میں یہ غصہ ان پر نہیں بلکہ خود اپنی بدقسمتی پر تھا اور اس کی تھوڑی آنچ خواہ مخواہ اونکارناتھ تک پہنچ ہی جاتی تھی۔ وہ ان کی ریاضت دیکھ کر دل میں گڑھتی بھی تھی اور ان سے ہمدردی بھی رکھتی تھی۔ بس انھیں تھوڑا سا خبطی سمجھتی تھی۔ ان کا اداس چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

کیوں اداس ہو، پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہے کیا؟"

اونکار ناتھ کو مسکرانا پڑا۔ "کون اداس ہے؟ میں! مجھے تو آج جتنی خوشی ہے اتنی تو اپنے بیاہ کے دن بھی نہ ہوئی تھی۔ آج صبح صبح پندرہ سو کا سودا ہوا ہے، کسی اچھے کا منہ دیکھا تھا۔"

گومتی کو یقین نہ آیا بولی۔ "جھوٹے ہو تمھیں پندرہ سو کہاں ملے جاتے ہیں؟ ہاں پندرہ کہو تو مان لیتی ہوں۔"

نہیں نہیں، تمھارے سر کی قسم، پندرہ سو مارے۔ ابھی رائے صاحب آئے تھے، سوگاہکوں کا چندہ اپنی طرف سے دینے کا وعدہ کر گئے ہیں۔"

گومتی کا چہرہ اتر گیا: "تو مل چکے!"

"نہیں نہیں رائے صاحب وعدے کے پکے ہیں۔"

"میں نے کسی تعلقدار کو وعدے کا پکا دیکھا ہی نہیں۔ دادا ایک تعلقدار کے نوکر تھے۔ سال سال بھر تنخواہ نہ ملتی تھی۔ اسے چھوڑ کر دوسری کی نوکری کی۔ اس نے دو سال تک ایک پائی نہ دی۔ ایک بار دادا گرم ہو پڑے تو مار کر بھگا دیا۔ ان کے وعدوں کا کوئی اعتبار نہیں۔"

میں آج ہی بل بھیجتا ہوں۔"

بھیجا کرو۔ کہہ دیں گے کہ کل آنا۔ کل اپنے علاقے پر چلے جائیں گے اور تین مہینے میں لوٹیں گے۔"

اونکار ناتھ شک میں پڑ گئے۔ کہیں رائے صاحب بعد کو مکر گئے تو وہ کیا کر لیں گے؟ پھر بھی دل کڑا کر کے بولے۔ "ایسا نہیں ہو سکتا۔ کم سے کم رائے صاحب کو میں اتنا دھوکے باز نہیں سمجھتا۔ میرا ان کے یہاں کچھ باقی نہیں ہے۔"

گومتی نے اسی شکوک انداز سے کہا: "اسی سے تو میں تمھیں بدھو کہتی ہوں ذرا کسی نے ہمدردی دکھائی اور تم پھول اٹھے۔ یہ موٹے رئیس ہیں۔ ان کے پیٹ میں ایسے کتنے ہی وعدے ہضم ہو سکتے ہیں۔ جتنے وعدے کرتے ہیں اگر سب پورا کرنے لگیں تو بھیک مانگنے کی نوبت آجائے۔ میرے گاؤں کے ٹھاکر صاحب تو دو دو تین تین سال تک بنیوں کا حساب نہ کرتے تھے۔ نوکروں کی تنخواہ تو برائے نام دیتے تھے۔ سال بھر کام لیا اور جب نوکر نے تنخواہ مانگی تو مار کر نکال دیا۔ کئی بار اسی نادہندگی میں ان کے لڑکوں کے نام اسکول سے کٹ گئے۔ آخر انھوں نے لڑکوں کو بلا لیا۔ ایک بار ریل کا ٹکٹ بھی ادھار مانگا تھا۔ یہ رائے صاحب بھی تو ان ہی کے بھائی بند ہیں۔ چلو کھانا کھاؤ اور چکی پیسو، جو تمھارے بھاگ میں لکھا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ یہ بڑے آدمی تمھیں پھٹکارتے رہیں وہی اچھا ہے۔ یہ اگر تمھیں ایک پیسہ دیں گے تو اس کا چوگنا اپنے اسامیوں سے وصول کر لیں گے۔ ابھی ان کے بارے میں جو کچھ چاہتے ہو لکھتے ہو مگر تب تو ٹھکر سہاتی ہی کہنی پڑے گی۔"

پنڈت جی کھا رہے تھے مگر لقمہ منہ میں پھنسا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ آخر دل کا بوجھ ہلکا کیے بغیر کھانا مشکل ہو گیا۔ بولے: "اگر روپئے نہ دیے تو ایسی خبر لوں گا کہ یاد کریں گے۔ ان کی چوٹی میرے ہاتھ میں ہے۔ گاؤں کے لوگ جھوٹی خبر نہیں دے سکتے۔ سچی خبر دیتے تو ان کی جان نکلتی ہے، اچھوتی کیا دیں گے؟ رائے صاحب کے خلاف ایک رپورٹ میرے پاس آئی ہے۔ چھاپ دوں تو بچّہ کو گھر سے نکلنا مشکل ہو جائے۔ مجھے وہ خیرات نہیں دے رہے ہیں، بڑے دباؤ میں پڑ کر اس راہ میں آئے ہیں۔ پہلے دھمکیاں دے رہے تھے، جب دیکھا کہ یوں کام

نہ چلے گا تو یہ چارا پھینکا۔ میں نے بھی سوچا کہ ایک ان کے ٹھیک ہو جانے سے تو ملک سے ظلم مٹا جاتا نہیں پھر کیوں نہ اس دان کو قبول کر لوں؟ میں اپنے معیار سے گر گیا ہوں ضرور، لیکن اتنے پر بھی رائے صاحب نے دغا کی تو میں بھی شرارت پر اتر آؤں گا۔ جو غریبوں کو لوٹتا ہی اسے لوٹنے کے لئے اپنے ضمیر کو بہت سمجھانا بجھانا نہ پڑے گا۔

❖ ❖ ❖

(۱۷)

گانوں میں خبر پھیل گئی کہ رائے صاحب نے پنچوں کو بلا کر خوب ڈانٹا اور لوگوں نے جتنے روپئے وصول کئے تھے وہ سب ان کے پیٹ سے نکال لئے۔ وہ تو ان لوگوں کو جیل بھجوا رہے تھے لیکن ان لوگوں نے ہاتھ پانوں جوڑے، تھوک کر چاٹا، تب جا کر چھٹکارا ملا۔ دھنیا کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا گانوں میں گھوم گھوم کر پنچوں کو نادم کرتی پھرتی تھی "آدمی نہ سنے گریبوں کی پکار، بھگوان تو سنتے ہیں۔ لوگوں نے سوچا تھا کہ ان سے ڈانڈے کر مجے (مزے) سے پھلوریاں کھائیں گے پر بھگوان نے ایسا طمانچہ لگایا کہ پھلوریاں منہ سے باہر نکل پڑیں۔ ایک ایک کے دو دو بھرنے پڑے۔ اب جاؤ میرا گھر لے کر!"

مگر بیلوں کے بغیر کھیتی کیسے ہو! گانوں میں بوائی شروع ہو گئی کاتک کے مہینے میں کسان کے بیل مر جائیں تو اس کے دونوں ہاتھ کٹ جاتے ہیں۔ ہوری کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے۔ اور سب لوگوں کے کھیتوں میں ہل چل رہے تھے، بیج ڈالے جا رہے تھے۔ کہیں کہیں گیت کی تانیں سنائی دیتی تھیں مگر ہوری کے کھیت کسی بیکس عورت کے گھر کی طرح سونے پڑے تھے، پنیا کے پاس بھی گوئیں (بیلوں کا جوڑا) تھی، سوبھا کے پاس بھی گوئیں تھی۔ مگر انھیں اپنے کھیتوں کی بوائی سے فرصت کہاں کہ ہوری کے کھیت میں بوئیں؟ ہوری دن بھر ادھر ادھر مارا مارا پھرتا۔ کہیں اس کے کھیت میں جا بیٹھتا کہیں اس کی بوائی کرا دیتا! اس طرح کچھ اناج مل جاتا۔ دھنیا، سونا، روپا سبھی

دوسروں کی بوائی میں لگی رہتی تھیں۔ جب تک بوائی رہی، پیٹ کی روٹیاں ملتی گئیں اور کوئی خاص تکلیف نہ ہوئی۔ دماغی تکلیف تو ضرور ہوتی تھی مگر کھانے بھر کو مل جاتا۔ رات کو روز میاں بیوی میں تھوڑی سی لڑائی ہو جاتی تھی۔

یہاں تک کہ کاتک بیت گیا اور گاؤں میں مزدوری کا ملنا بھی مشکل ہو گیا اب سارا دارومدار اکھپر تھا جو کھیتوں میں کھڑی تھی۔

رات کا وقت تھا، سردی خوب پڑ رہی تھی۔ ہوری کے گھر میں آج کچھ کھانے کو نہ تھا۔ دن کو تو تھوڑا سا بھنا ہوا سٹر مل گیا تھا مگر اس وقت چولھا جلنے کا کوئی ڈول نہ تھا۔ روپا بھوک سے بے حال تھی اور دروازے پر الاؤ کے آگے بیٹھی رو رہی تھی۔ گھر میں اناج کا ایک دانہ بھی نہیں ہے۔ تو کیا مانگے کیا کھے؟

جب بھوک نہ برداشت ہوئی تو وہ آگ مانگنے کے بہانے پُنیا کے گھر گئی۔ وہ باجرے کی روٹی اور بتھوے کا ساگ پکا رہی تھی۔ مہک سے روپا کے منہ میں پانی بھر آیا۔

پُنیا نے پوچھا: "کیا ابھی تیرے گھر میں آگ نہیں جلی کیا ری؟"

روپا نے عاجزی سے کہا: "آج تو گھر میں کچھ تھا ہی نہیں آگ کہاں سے جلتی۔"

"تو پھر آگ کاہے کو مانگنے آئی ہے؟"

"دادا تماکھو (تمباکو) پیئں گے۔"

پُنیا نے اُپلے کی آگ اس طرف پھینک دی مگر روپا نے آگ اٹھائی نہیں اور پاس جا کر بولی: "تمھاری روٹیاں مہک رہی ہیں، کاکی! مجھے باجرے کی روٹیاں بڑی اچھی لگتی ہیں۔"

پنیا نے مسکرا کر پوچھا "کھلئے گی؟"

"اماں ڈانٹیں گی۔"

"اماں سے کون کہنے جائے گا؟"

روپا نے پیٹ بھر کر روٹیاں کھائیں اور جوٹھے منہ بھاگی ہوئی گھر چلی گئی۔

ہوری اداس بیٹھا تھا کہ پنڈت داتادین نے آکر پکارا۔ ہوری کا سینہ دھڑکنے لگا۔ کیا کوئی نئی مصیبت آنے والی ہے؟ آکر ان کے پیر چھوئے اور الاؤ کے سامنے ان کے لئے ماچی رکھ دی۔

داتادین نے بیٹھتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں کہا "اب کی تو تمھارے کھیت پرتی پڑ گئے ہوری۔ تم نے گانوں میں کسی سے کچھ کہا ہی نہیں، نہیں تو بھولا کی کیا مجال تھی کہ تمھارے دوارے سے بیل کھول لے جاتا۔ یہیں لوتھ گرجاتی۔ میں تم سے جنیو ہاتھ میں لے کر کہتا ہوں ہوری، کہ میں نے تمھارے اوپر ڈانڈ لگایا تھا۔ دھنیا مجھے ناحک (ناحق) بدنام کرتی پھرتی ہے۔ یہ سب پٹیشوری لالہ اور جھنگری سنگھ کی کارستانی ہے۔ میں تو لوگوں کے کہنے سے پنچایت میں بیٹھ بھر گیا تھا۔ وہ لوگ تو اور کڑا ڈنڈ لگا رہے تھے، میں نے کہہ سُن کر کم کرایا۔ مگر اب سب لوگ سر پر ہاتھ دھرے رو رہے ہیں۔ سمجھتے تھے کہ یہاں ان ہی کا راج ہے۔ یہ نہ جانتے تھے کہ گانوں کا راجہ کوئی اور ہے۔ تو اب اپنے کھیتوں کی بوائی کا کیا بندوبست کر رہے ہو؟"

ہوری نے رُندھے گلے سے کہا "کیا بتاؤں مہاراج! پرتی رہیں گے۔"

"پرتی رہیں گے! یہ تو بڑا انرتھ ہوگا۔"

"بھگوان کی یہی مرجی (مرضی) ہے تو اپنا کیا بس؟"

میرے ہوتے تمہارے کھیت کیسے پرتی رہیں گے۔ کل ہی تمہارا بیوپار کرادوں گا۔ ابھی کھیتوں میں کچھ تری ہے۔ آج کے دس دن پیچھے ہو گی۔ اس سے سوا اور کوئی بات نہیں۔ ہمارا تمہارا آدھا ساجھا رہے گا۔ اس میں نہ تمہیں کوئی گھاٹا ہے نہ ہمیں۔ میں نے آج بیٹھے بیٹھے سوچا تو جی بڑا دکھی ہوا کہ بڑے جتنے کھیت پرتی پڑے جاتے ہیں۔"

ہوری سوچ میں پڑ گیا "جو ماسا بھر ان کھیتوں میں کھاد ڈالی، جوتا اور آج صرف بوائی کے لئے آدھی فصل دینی پڑ رہی ہے۔ اس پر احسان کیا جا رہے ہیں۔ مگر اس سے تو اچھا ہے کہ کھیت پرتی پڑ جائیں اور کچھ ملے گا تو لگان تو نکل ہی آئے گا۔ نہیں اب کے ادا نہ ہوا تو بے دخلی آئی دھری ہے۔"

اس نے تجویز منظور کر لی۔

داتا دین خوش ہو کر بولے "تو چلو میں ابھی بیج تول دوں، جس میں بیرے (سویرے) کا جھنجھٹ نہ رہے۔ روٹی تو کھا لی ہے نا؟"

ہوری نے لجاتے ہوئے آج گھر میں چولھا نہ جلنے کی بات کہی۔

داتا دین نے میٹھے الہنے کے انداز سے کہا: "ارے، تمہارے گھر میں چولھا نہیں جلا تو تم نے مجھ سے کہا بھی نہیں! ہم تمہارے بیری تو نہیں تھے۔ اسی بات پر تم سے میرا جی کڑھتا ہے، ارے بھلے آدمی، اس میں لاج شرم کی کونسی بات ہے؟ ہم سب ایک ہی تو ہیں۔ تم شودر ہوتے تو کیا، ہم براہمن ہوئے تو کیا، ہیں تو سب ایک ہی گھر کے۔ دن سب کے برابر نہیں جاتے۔ کون جانے کہ کل میرے ہی اوپر کوئی سنکٹ آ پڑے تو میں تم سے اپنا دکھ نہ کہوں گا تو کس سے کہوں گا؟ اچھا جو ہوا سو ہوا، چلو لوائی کر

اناج کے ساتھ تمہیں من دو من کھانے کو بھی تول دوں گا۔"

آدھ گھنٹے میں ہوری من بھر جو کا ٹوکرا سر پر رکھے آیا اور گھر کی چکی چلنے لگی۔ دھنیا روتی تھی اور سونا کے ساتھ پیستی تھی۔ بھگوان اسے کس پاپ کا یہ ڈنڈ دے رہے ہیں۔

دوسرے دن بُوائی شروع ہوئی۔ ہوری کا سارا کنبہ اس طرح کام میں لگا ہوا تھا جیسے سب کچھ اپنا ہی ہے۔ کئی دن کے بعد سنچائی بھی اسی طرح ہوئی داتا دین کو مفت کے مزدور مل گئے۔ اب کبھی کبھی ان کا لڑکا ماتا دین بھی گھر میں آنے لگا۔ جوان آدمی تھا، بڑا عیاش اور بات چیت کا میٹھا۔ داتا دین جو کچھ چھین جھپٹ کرلاتے تھے وہ اسے بھنگ بوٹی میں اڑاتا تھا۔ ایک چماری سے اس کی آشنائی ہوگئی تھی اس لئے ابھی تک بیاہ نہ ہوا تھا۔ وہ رہتی الگ تھی مگر سارا گاؤں یہ بھید جانتے ہوئے بھی کچھ بول نہ سکتا تھا۔ ہمارا دھرم ہے کھانا۔ کھانا پاک رہے پھر ہمارے دھرم پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ روٹیاں ڈھال بن کر بے دھرمی سے ہمیں بچاتی ہیں۔

اب ساجھے کی کھیتی ہونے سے ماتا دین کو جھنیا سے گفتگو کرنے کا موقع ملنے لگا۔ وہ ایسے وقت آتا جب جھنیا کے سوا اور کوئی نہ ہوتا، کبھی کسی بہانے سے، کبھی کسی بہانے سے۔ جُھنیا شکیل نہ تھی لیکن جوان تھی اور اس کی چماری سی بہتر تھی۔ کچھ دن شہر میں رہ چکی تھی۔ پہننا، اوڑھنا، بول چال وغیرہ سے واقف تھی اور حیادار بھی تھی جو عورت میں سب سے زیادہ کشش کی چیز ہے۔ ماتا دین کبھی کبھی اس کے بچے کو گود میں اٹھا لیتا اور پیار کرتا جھنیا خوش ہو جاتی تھی۔

ایک دن اس نے جُھنیا سے کہا: "تم کیا دیکھ کر گوبر کے ساتھ

، جھونا؟"

جھنیا نے لجاتے ہوئے کہا: "بھاگ کھینچ لایا مہراج، اور کیا کہوں؟"

ماتادین نے افسوس سے کہا: "بڑا بے وفا آدمی ہے۔ تم جیسی لچھمی کو چھوڑ کر نے کہاں مارا مارا پھر رہا ہے۔ منچلا آدمی ہے۔ اس سے مجھے شک ہوتا ہے کہ کہیں اور سا گیا ہو۔ ایسے آدمیوں کو تو گولی مار دینی چاہیے۔ آدمی کی جندگی (زندگی) ربادی اور آپ دوسرا گھر جا نکنے لگے۔"

عورت رونے لگی۔ ماتادین نے ادھر ادھر تاک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا، ر سمجھانے لگا: "تم اس کی کیوں پروا کرتی ہو، جھونا؟ چلا گیا تو چلا جانے دو۔ رے لئے کس بات کی کمی ہے؟ روپیہ پیسہ، گہنا کپڑا، جو چاہو مجھ سے لو۔"

جھنیا نے آہستہ سے ہاتھ چھڑا لیا اور پیچھے ہٹ کر بولی: "سب تمھاری دیا ہے مہراج! میں تو کہیں کی نہ رہی۔ گھر سے بھی گئی اور یہاں سے بھی گئی۔ نہ مایا ملی، نہ رام ہی ملے۔ دنیا کا رنگ ڈھنگ نہ جانتی تھی۔ اس کی میٹھی میٹھی باتیں سن کر جال میں پھنس گئی۔"

ماتادین نے گوبر کی برائی کرنی شروع کی: "وہ تو پورا لفنگا ہے، نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ جب دیکھو، ماں باپ سے لڑائی، کہیں پیسہ پا جائے تو فوراً جوا کھیل ڈالے گا، چرس اور گانجے میں اس کی جان بستی ہے۔ شہدوں، لچوں کے ساتھ گھومنا، بہو بیٹیوں کو چھیڑنا، یہی اس کا کام تھا۔ تھانیدار صاحب بدمعاشی میں اس کا چالان کرنے والے تھے، ہم لوگوں نے بڑی بنتی کی تب جا کے چھوڑا۔ دوسروں کے کھیت کھلیان سے اناج اڑا لیا کرتا تھا۔ وہ کئی بار پکڑا گیا پر گاؤں گھر کا سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔"

۔ سونا نے باہر سے آکر کہا: "بھابی! امّاں نے کہا ہے کہ اناج نکال کر دھوپ میں ڈال دو، نہیں تو چوکر بہت نکلے گا۔ پتہ نہیں برسات نے تو جیسے بکھاریں پانی ڈال دیا ہو۔"

ماتادین نے اپنی صفائی دی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تیرے گھر برسات نہیں ہوئی۔ چوماسے میں لکڑی تک گیلی ہو جاتی ہے، اناج تو اناج ہی ہے۔"

یہ کہتا ہوا وہ باہر چلا گیا۔ سونا نے آکر اس کا کھیل بگاڑ دیا تھا۔

سونا نے جھنیا سے پوچھا۔ "ماتادین کیا کرنے آئے تھے؟"

جھنیا نے ماتھا سکیڑ کر کہا۔ "پگہی (مویشی باندھنے کی رسّی) مانگ رہے تھے۔ میں نے کہہ دیا کہ یہاں نہیں ہے۔"

"یہ سب بہانہ ہے۔ بڑا برا آدمی ہے۔"

"مجھے تو بڑا بھلا آدمی لگتا ہے، کیا برائی ہے اس میں؟"

"تم نہیں جانتیں، سلیا چمارن کو رکھے ہے۔"

"تو اسی سے برا آدمی ہو گیا؟"

"اور کاہے سے آدمی برا کہا جاتا ہے؟"

"تمھارے بھیّا بھی تو مجھے لائے ہیں۔ وہ بھی برے آدمی ہیں؟"

سونا نے اس کا جواب نہ دے کر کہا۔ "میرے گھر میں پھر کبھی آئے گا تو دھتکار دوں گی۔"

"اور جو اس سے تمھارا بیاہ ہو جائے؟"

سونا شرما گئی۔ "تم تو بھابی گالی دیتی ہو!"

"کیوں اس میں گالی کی کون بات ہے؟"

"مجھ سے بولے تو منہ جھلس دوں۔"